AFKĀR *Journal of Islamic & Religious Studies*
Volume 3, Issue 2, December 2019, PP: 167-176
E-ISSN 2616-8588; P-ISSN 2616-9223
www.afkar.com.pk; hjrs.hec.gov.pk

Scan for download

اجتہادی مسائل میں حدیث نبوی سے اخذ واستناد: شیخ محمد بن علی سنوسی کے افکار کا خصوصی مطالعہ

Following and Leaning upon the Prophetic Traditions in Resolving the Ijtihadi Issues: A Case Study of al-Sanusi's Thought

Prof. Ghulam Shams-ur-Rehman
Chairman Department of Islamic Studies & Arabic, GCU Faisalabad, Pakistan

ARTICLE INFO

Article History:
Received 12 Oct. 2019
Revised 22Nov. 2019
Accepted 25Dec. 2019
Online 30 Dec. 2019

DOI:

***Keywords**:*
SanusiyyaMovement, Islamic Sciences, Ijtihādī Thoughts, Contemporary Issues, Mujtahid.

ABSTRACT

The Sanusiyya movement is considered one of the most important revival movements that played a significant role not only in the jihad against the colonital powers by integrating the Bedouin tribes of Libya and Sahara but also in the revival of Islamic thoughts by reconstructing the Islamic knowledge. Shaykh Muhammad al-Sanusi, the founder of the Sanusiyya, was an established scholar in Islamic sciences who had composed significant writings on various dimensions of Islamic Studies. This paper aims to understand his theory of Ijtihad as described in his magnum opus Iqaz al-wasnan. He criticizes the blind imitation and asserts that a Muhtahid should follow the Sunnah and Hadith for resolving the contemporary issues while blind following of an established mazahib cannot be allowed for a jurist who knows the sources of Islamic law. He argues that blind imitation is only permissible for a layman and jurists must follow the hadith. This paper will help the reader to understand the ijtihadi thought of Shaykh al-Sanusi.

CC BY

تمہید:

اس مقالہ میں حدیث و سنت کے حوالے سے شیخ محمد بن علی سنوسی (م ۱۲۷٦/۱۸۵۹) کے افکار کا مطالعہ کیا جائے گا۔ شیخ سنوسی بنیادی طور پر محدّث تھے جنکی ذخیرہ حدیث پر گہری نظر تھی۔ در حقیقت نویں صدی میں مغرب الاقصی میں ماہرینِ حدیث نے فقہ اسلامی کے حوالے سے اجتہاد کی شروعات کیں جس میں حدیث پر تحریک المغرب سے شروع ہوئی لیکن اسکے اثرات پورے عالم اسلام پر مرتب ہوئے۔ شیخ محمد بن عبداللہ قوری، شیخ احمد زروق ایسے محدثین نے علوم اسلامیہ کی مروجہ صورتوں کو قرآن وحدیث کی روشنی میں پرکھنے کی ضرورت پر زور دیا۔ انہوں نے خاص کر فقہ اور تصوف کی تدوینِ جدید کی اہمیت پر زور دیا لیکن تدوینِ نو کی بنیاد قرآن وسنت پر استوار کرنے کی تائید کی۔ یہ تحریک مصر اور حجاز کے علمی مراکز کے توسط سے پورے عالم اسلام میں پھیل گئی۔ جن علماء نے اس حوالے سے بھرپور کردار ادا کیا ان میں شیخ علی متقی ہندی، شیخ عبدالوھاب متقی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ ابراہیم قورانی، شاہ ولی اللہ اور بعد ازاں شیخ احمد بن ادریس اور شیخ محمد سنوسی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[1]

شیخ محمد سنوسی نے احیاء السنہ کی جو تحریک برپا کی اسکی اہم ترین خصوصیت علوم اسلامیہ کو باہم مرتبط کرنا ہے۔ شیخ سنوسی نے اس حوالے سے متعدد تصانیف میں جابجا حدیث و سنت سے تشریعی امور میں اخذ و استشہاد کے حوالے سے بحث کی ہے۔ اس مقالہ میں ان کی تصنیف ایقاظ الوسنان فی العمل بالحدیث والقرآن کے مباحث کا خصوصی طور پر جائزہ لیا جائے گا۔ شیخ سنوسی نے اس کتاب کو ایک مقدمہ اور تین ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ مقدمہ میں وہ آئمہ کرام کی جلالت علمی کو بیان کرتے ہیں اور ابواب میں وہ کتاب کے بنیادی مقاصد کو واضح کرتے ہیں۔ اس مقالہ میں "ایقاظ الوسنان" کے حوالے سے اخذ حدیث اور اجتہادی امور میں حدیث سے استشہاد کے طریقہ کار، اور حدیث کے مقابلہ میں اقوال آئمہ کی اہمیت، اور تقلید آئمہ کی بجائے حدیث پر عمل کی ضرورت ایسے مسائل پر شیخ سنوسی کے افکار کا مطالعہ کیا جائے گا۔

شیخ سنوسی کا شمار تیرہویں / انیسویں صدی کے ان اکابر علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے فکر اسلامی کی تجدید کے حوالے سے گرانقدر خدمات سر انجام دیں اور انکی علمی تحریک نے احیاء اسلامی کی تحریکات پر گہرے اثرات مرتب کیے اور انکی جہادی و سیاسی تحریک لیبیا کی آزادی اور وہاں پر سنوسی حکومت کے قیام پر منتج ہوئی۔[2] تاہم شیخ سنوسی کا بنیادی کام علمی نوعیت کا ہے جس میں انہوں نے تجدید فکر اسلامی کی بات کی۔ انکی علمی افکار کو سمجھنے کیلئے اس عہد کے سیاسی اور عالمی تناظر کو مد نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔ خلافت عثمانیہ کی عمل داری افریقہ میں کمزور پڑنے کی وجہ سے یورپی سامراج نے افریقہ میں تسلط قائم کر لیا۔ جس کو یورپ کی احیاء علوم کی تحریکات نے مضبوط ترین کر دیا۔ دوسری جانب یورپ کی طرف سے مسلم ثقافت اور ان کی علمی بنیادوں پر نکتہ چینی کی اور ان کو مسلم زوال کی بنیاد قرار دیا۔ اس دور میں مغرب اور مسلم ثقافت کا باہم ملاپ ہوا جس کی وجہ سے مغرب کے زیر اثر مسلم مفکرین نے اسلامی جدیدیت کے حوالے سے اہم ترین موضوعات پر کام کیا۔[3]

شیخ سنوسی اس لحاظ سے بہت ممتاز ہیں کہ انکے افکار براہ راست یورپی افکار کے ردِ عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ وہ یورپ میں ہونے والی اس عہد کی علمی تحریکوں سے باضابطہ طور پر باخبر نہیں تھے۔ اور انکی علمی تحریک خالصتًا داخلی تھی جس میں اُنہوں نے فکر اسلامی کی تجدید کا نقطہ نظر پیش کیا۔ شیخ احمد سنوسی کی شخصیت اور فکر دونوں میں جامعیت کا عنصر نمایاں ہے۔ وہ مستغانم الجزائر میں ۱۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور اپنے عہد کے اکابر علماء سے تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد فاس میں اعلی تعلیم کے لئے گئے جہاں پر اُنہوں نے مغرب (مراکو) کے جید علماء سے دس سال تک علوم

حاصل کئے۔ بعد ازاں وہ حجاز آئے اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ عالم اسلام کے اکابر علماء سے کسب علم کیا خاص کر انہوں نے شیخ احمد بن ادریس سے علوم و معارف حاصل کئے جو اپنے عہد کے مجتہد فقیہ، محدث اور مایہ ناز صوفی دانشور کے طور پر ممتاز تھے۔ جب شیخ احمد بن ادریس یمن روانہ ہوئے تو انہوں نے مسجد حرام میں آپ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ جہاں پر آپ عرصہ دراز تک درس دیتے رہے۔ بعد ازیں شیخ سنوسی نے طرابلس کے قریب جبل الاخضر کے مقام پر زاویہ قائم کیا جہاں انہوں نے عائلی زندگی کے آغاز کے ساتھ اس زاویہ میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ شروع کیا۔ کچھ عرصہ بعد وہ جغبوب کے صحرائی علاقے میں منتقل ہوگئے اور وہاں پر بھی زاویہ قائم کیا جس میں طلبہ و مریدین کی تربیت کا انتظام کیا۔ اسی مقام پر انکی ۱۲۷۶ھ میں وفات اور تدفین ہوئی۔[۴]

اس مختصر سوانحی خاکہ سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ شیخ سنوسی نے مغرب الاقصی سے حجاز تک کی علمی درس گاہوں سے تعلیم حاصل کی اور متعدد اساتذہ سے پڑھا اور متنوع علاقائی ثقافتوں کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اپنی علمی اسناد کو انہوں نے اپنی کتاب الشموس الشارقہ فیمالنا من اسانید المغاربۃ والمشارقۃ میں بیان کیا ہے۔[۵] اس علمی سفر نے شیخ محمد سنوسی میں ایک جامع فکر بیدار کی جو کہ ان کی علمی نگارشات میں ایک غالب فکر کے طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔

اجتہادی مسائل میں حدیث وسنت سے استشہاد

فروعی مسائل میں سنت وحدیث سے اجتہاد کے حوالے سے تفصیلی بحث سے قبل "ایقاظ الوسنان" کا اجمالی تعارف بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کیوں کہ یہ شیخ سنوسی کے اجتہادی و تجدیدی افکار کے حوالے سے بنیادی مصدر ہے۔ اس کتاب کے پہلے باب میں وہ اس بنیادی نکتہ کی وضاحت کرتے ہیں کہ کتاب و سنت کو مضبوطی سے تھامنا واجب ہے۔ اور اس حوالے سے وہ تین فصلیں مرتب کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں وہ یہ امر واضح کرتے ہیں کہ قرآن و سنت دونوں کی دلالت ایک ہے؛ دو علیحدہ علیحدہ نہیں ہیں۔ دوسری فصل میں اس نکتہ کی وضاحت ہے کہ دونوں کی اتباع واجب ہے۔ جبکہ تیسری فصل میں حدیث پر عمل کے حوالے سے وہ تین مختلف طبقہ ہائے فکر اصولیین، محدثین اور فقہاء کے طریقہ ہائے کار کی وضاحت کرتے ہیں اور حدیث کے اخذ و استشہاد کے حوالے سے ان میں پائے جانے والے باہمی فرق کی نشاندہی کرتے ہیں۔

شیخ سنوسی کتاب کے دوسرے باب میں اجتہاد کے حوالے سے تین بنیادی مباحث قائم کرتے ہیں۔ اجتہاد کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے وہ مجتہد کے حوالے سے قائم کردہ شروط بیان کرتے ہیں کہ "نص" کی موجودگی میں اجتہاد کسی طور پر جائز نہیں جبکہ تیسری فصل میں وہ اس نقطہ نظر کی تردید کرتے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہوگیا ہے۔ ان تینوں مباحث کے مطالعہ سے یہ بات آشکار ہوجاتی ہے کہ شیخ سنوسی ایک طرف بنیاد کو سختی سے پکڑنے کی بات کرتے ہیں اور ایسی تجدید اور اجتہاد کی نفی کرتے ہیں جو قرآن و سنت پر استوار نہ ہو اور دوسری طرف متداول فقہی و قانونی مکتبہ ہائے فکر کی تعبیرات کو حتمی قرار نہیں دیتے کہ انکے حوالے سے بحث نہ کی جاسکے بلکہ قرون وسطی میں مجتہد کے لئے قائم کردہ شروط پر نقد کرتے ہیں۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مجتہد کے لئے فقہی بصیرت کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن اس کا تمام ذخیرہ حدیث و فقہ اور لغت و ادب سے واقف ہونا ضروری نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ متاخرین فقہاء میں سے بعض نے یہ رائے قائم کی کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہوگیا۔ جبکہ ایسا ہرگز نہیں کیونکہ اجتہاد کے ذریعے دین کی ابدی حقیقتوں کو اجاگر کیا جاتا رہے گا۔ شیخ سنوسی تیسرے باب میں تقلید کے حوالے سے

بحث کرتے ہیں۔ اسمیں وہ تین اہم نکات پر زور دیتے ہیں۔ تقلید کن صورتوں میں قابلِ مذمت ہے؟ کیا آئمہ اربعہ کی تقلید اس زمرے میں آتی ہے؟ اتباع اور تقلید میں کیا فرق ہے؟

مندرجہ بالا اجمالی مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شیخ سنوسی کتاب وسنت کی ہر حال میں اتباع کو فوقیت دیتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کے شعور میں یہ بات پختہ ہے کہ ماضی کے فقہی سرمائے کو بیک جنبش قلم مسخ نہیں کرنا چاہئے جیسا کہ عمومی طور پر انقلابی اور تجدیدی تحریکوں کا طریقہ کار ہوتا ہے۔ شیخ سنوسی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ماضی کے فقہی اور علمی سرمائے کو نظر انداز کئے بغیر قرآن وحدیث کی بنیاد پر جدید مسائل کا حل تلاش کیا جائے۔ وہ مقدمہ میں ان لوگوں کی تنقید کا بہت تفصیل سے جواب دیتے ہیں جو آئمہ فقہ پر تنقید کرتے ہیں کہ وہ حدیث کی بجائے متقدمین آئمہ فقہ کے اقوال اور قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔ شیخ سنوسی لکھتے ہیں کہ ملتِ اسلامیہ کے علماء سب سے بہترین لوگ ہیں جنہوں نے کتاب وسنت کو قائم کیا اور اس کے اسرار اور حکمتوں کو سمجھا تو ایسے لوگوں کے بارے میں یہ اعتقاد کیسے رکھا جاسکتا ہے کہ انہوں نے جان بوجھ کر رسول اللہ ﷺ کی سنتوں سے انحراف کیا۔ اس وجہ سے وہ مقامات جہاں پر اس طرح کی صورت حال ملتی ہے اس کی ضرور توجیہ کرنی چاہیے۔

شیخ محمد سنوسی آئمہ سابقین کی بظاہر حدیث سے متصادم آراء کے حوالے سے دس ممکنہ اسباب بیان کرتے ہیں جن میں سے ایک یہ کہ فقیہ اس حدیث سے باخبر نہ ہو یا وہ فنِ مصطلحات کے متعین کردہ اصولوں میں کمزور ہو یا ایسی چیز کو شرط قرار دے جو کہ دوسرے کے نزدیک شرط قرار نہیں پائی یا یہ کہ وہ نسیان میں مبتلا ہو یا پھر وہ دلالت کے بارے میں نہ جانتا ہو یا اس نے اس چیز کا اعتبار نہ کیا ہو جس کا کرنا چاہیے تھا یا وہ اس حدیث کے معارض کو نہ جانتا ہو جو اس کے ضعف پر دلالت کرتی ہے یا ناسخ روایت کو نہ جانتا ہو اور اس طرح کی کئی اور وجوہات پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے آئمہ فقہ کا عذر قبول کرنا چاہیے۔[۲] درحقیقت رسول ﷺ کچھ بیان کرتے یا حکم دیتے یا کوئی کام کرتے تو دیکھنے والا حسب ضرورت اسکا متعلقہ حصہ بیان کرتا یا اس پر عمل کرتا اور دوسرے دیکھ کر اسکے عمل کے مطابق بیان کرتے۔ درحقیقت صحابہ کرامؓ میں سے بعض ایسے ہیں جو رسول کریم ﷺ کے ساتھ بہت زیادہ رہتے تھے جیسے خلفاء راشدین جو رسول کریم ﷺ کی احادیث اور اعمال سے زیادہ واقف تھے ۔حضرت ابو بکر صدیقؓ بہت کم ہی آپ ﷺ کو سفر وحضر میں اکیلا چھوڑتے۔ اسی طرح سیدنا عمرؓ ہمیشہ آپ کی مصاحبت کرتے تھے۔ اس کے باوجود دادی کی وراثت کے حوالے سے جب حضرت ابو بکر صدیقؓ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کتاب اللہ میں اس کے لیے کوئی حصہ مقرر نہیں اور نہ ہی سنت رسول ﷺ میں اس کے بارے کوئی حکم ہے۔ یہاں تک کہ مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہ نے گواہی دی کہ رسول ﷺ نے دادی کو چھٹا حصہ دیا ہے۔ اور یہ روایت عمران بن حصین سے بھی مروی ہے۔ جب یہ کیفیت حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ہے کہ انہیں بھی بعض امور کا علم نہیں تھا تو آئمہ کرام کے حوالہ سے اس نوع کا عذر بدرجہ اولیٰ قبول کرنا چاہیے۔

شیخ محمد سنوسی اس حوالہ سے کئی ایک صحابہ کرام کی مثالیں بیان کرتے ہوئے آئمہ فقہ کے حوالہ سے عذر خواہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ متقی لوگ تھے ان سے یہ کیسے امید رکھی جاسکتی ہے کہ وہ جان بوجھ کر حدیث صحیح کے مخالفت کرتے ہوں۔ مزید براں شیخ سنوسی دو اہم نکات بیان کرتے ہیں، پہلی بات یہ کہ تدوین حدیث آئمہ کبار کے بعد کی گئی اور حدیث کے حوالہ سے آئمہ نے موجودہ کتب حدیث پر انحصار نہیں کیا کیو نکہ یہ اس وقت تک مدون ہی نہیں ہوئیں تھیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمام احادیث ضروری نہیں ان مجموعہ ہائے احادیث میں موجود ہوں

۔اس لحاظ سے وہ آئمہ فقہ جو دور تدوینِ حدیث سے قبل تھے وہ متاخرین کی نسبت سنت سے زیادہ واقف تھے کیونکہ بہت ممکن ہے کی ان لوگوں تک وہ احادیث پہنچیں ہوں جو ہم تک کسی مجہول یا منقطع سند کے ساتھ پہنچیں یا بالکل ہی نہ پہنچیں ہوں۔در حقیقت انکے اپنے دواوین تھے جن میں موجودہ دواوین سے کئی گنا زیادہ احادیث تھیں اور یہ وہ امر ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں۔

شیخ سنوسی دوسرا نکتہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ہر مجتہد کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ تمام ذخیرہ حدیث سے واقف ہو کیونکہ یہ ایک ایسی شرط ہے جس پر امت کے اکابر آئمہ بھی پورا نہیں اترتے۔[7] شیخ سنوسی ان اسباب کا ذکر کرتے ہیں جن کی وجہ سے فقہاء اپنے مکتبہ فکر کی رائے کو ظاہر حدیث پر ترجیح دیتے ہیں اور اس کی غالباً وجہ یہ ہے کہ اکثر متاخرین فقہاءاہل مدینہ،اہل کوفہ یاان میں دو یا تین آئمہ کے پیروکار ہیں لہذا ان کے نزدیک ان کے اقوال سے روگردانی کرنا اجماع کے مخالف ہے چونکہ یہ بات ان کے ذہن میں راسخ ہوتی ہے۔چنانچہ ان کے لیے آسان نہیں ہو تا کہ وہ اجماع کو چھوڑ کر ظاہر حدیث پر عمل کریں اور یہ ان طرف سے عذر خواہی کی بڑی دلیل ہو سکتی ہے۔[8] امام شافعیؒ کے حوالے سے شیخ سنوسی یہ اصول بیان کرتے ہیں کہ سنت قرآن کی تفسیر ہے۔وہ احمد بن حنبلؒ کے رسالہ کا حوالہ دیتے ہیں جس میں انہوں نے اس شخص کے نقطہ نظر کا رد کیا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ قرآن کو سمجھنے کے لیے سنت کی ضروت نہیں۔[9] اسی طرح وہ امام ابو حنیفہؒ کا قول نقل کرتے ہیں:

اترکوا قولی لکتاب اللہ، اتر کوا قو لی لخبر الرسو ل، اترکوا قولی لقول الصحابی الرسول۔مزید بر آں وہ امام مالک کا قول نقل کرتے ہیں: انما انا بشر اخطیء واصیب، فانظروا فی رای فکل ما وافق الکتاب و السنة فخذوہ وکل مالم یوافق الکتاب والسنة فاترکوہ۔[10]

امام سنوسی آئمہ فقہ کے ان اقوال سے یہ بات ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے نزدیک حدیث و سنت بنیادی مصادر تشریع میں سے ہیں جن سے انہوں نے احکام کا استنباط کیا ہے۔شیخ سنوسی آئمہ اربعہ کے علاوہ دیگر آئمہ کے اقوال بھی اس ضمن میں تحریر کرتے ہیں اس حوالہ سے وہ امام ابو داود اور امام احمد بن حنبل کے مابین ہونے والے دلچسپ مکالمہ کا بھی ذکر کرتے ہیں جس میں امام ابو داود نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ آپ امام اوزاعی اور امام مالک میں سے کس کی اتباع کرتے ہیں تو انہوں نے کہا:"لا تقلد دینک احدا من ہؤلاء ما جاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ فخذ بہ"۔ یعنی وہ امور جن میں نبی کریمؐ اور ان کے صحابہ کرام کی طرف سے واضح حکم منقول ہے ایسے معاملات میں کسی کی تقلید کی ضرورت نہیں۔تاہم دیگر امور میں اقوال تابعین میں سے کسی ایک کی اتباع کرنے کا ہمیں اختیار ہے۔مزید بر آں انہوں نے تقلید اور اتباع میں فرق بھی بیان کیا۔ابو داود کہتے ہیں کہ آپ نے کہا کہ اتباع یہ ہے کہ آدمی رسول اللہؐ اور آپکے صحابہ کے فرامین پر عمل پیرا ہو اور جو کچھ تابعین سے حاصل ہو اس میں اسے اختیار ہے لہذا انہوں نے ابو داود سے کہا کہ تم نہ میری تقلید کرو اور نہ ہی امام مالک ،امام شافعی،امام اوزاعی اور امام ثوری میں سے کسی کی تقلید کرو بلکہ وہاں سے لو جہاں سے انہوں نے لیا۔اور آدمی فقہ کی کمی کی وجہ سے لوگوں کا مقلد ہوتا ہے۔[11] در حقیقت شیخ سنوسی حدیث کی حجیت کو واضح کرنے کے لیے آئمہ کے اقوال بیان کرتے ہیں۔مزید بر آں وہ آئمہ کے اس طرز عمل سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آئمہ کے اقوال اور حدیث میں جو بظاہر تعارض نظر آتا ہے اسکی وجہ یہ نہیں کہ آئمہ فقہ کے ہاں حدیث کی اہمیت نہیں بلکہ اس کی وجوہات وہ ہیں جو درج بالا بحث میں بیان کی گئی ہیں۔

تمسک بالقرآن والسنہ:

شیخ سنوسی کتاب کے مقدمہ میں یہ بنیادی اصول بیان کرتے ہیں کہ آئمہ متقدمین کے ماخذ استنباط کتاب و سنت ہیں اور ان کی رائے کی اہمیت اس وقت تک ہے جب تک وہ قرآن و سنت سے ہم آہنگ ہے۔ شیخ سنوسی نے مقدمہ میں آئمہ متقدمین اور احادیث میں پائے جانے والے بظاہر تعارض کا تجزیہ بھی کیا اور فقہاء کی طرف ممکنہ توجیہات بھی پیش کیں۔ اس کے بعد وہ اس بنیادی اصول پر بحث کرتے ہیں کہ کتاب و سنت کو مضبوطی سے تھامنا واجب ہے کیونکہ کتاب و سنت کی دلالت ایک ہے۔ دوسرا اہم نکتہ شیخ سنوسی یہ بیان کرتے ہیں کہ کتاب و سنت کی اتباع واجب ہے اور ان کو کسی بھی مجتہد کی رائے پر ترجیح دی جائے گی وہ اس حوالہ سے قرآن و سنت سے کئی دلائل پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ اجتہاد صرف انہیں امور میں ہے جہاں قرآن و سنت کا واضح حکم نہیں پایا جاتا۔ شیخ سنوسی، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا قول ذکر کرتے ہیں کہ سنت رسول ﷺ کے مقابلے میں کسی کی رائے کی کوئی اہمیت نہیں۔ وہ کئی ایک مثالیں ذکر کرتے ہیں جن میں صحابہ کرام کا اپنے فتاویٰ اور آراء سے رجوع ثابت ہے جب انہیں یہ پتہ چلا کہ اس مسئلہ میں کتاب و سنت سے نص موجود ہے۔[۱۲]

شیخ سنوسی واضح انداز میں متعصب فقہاء اور جاہل مقلدین پر تنقید کرتے ہیں جو کتاب سنت کے مقابلے میں احتمالات عقلیہ کو اس بنیاد پر ترجیح دیتے ہیں کہ ممکن ہے مجتہد اس نص سے واقف ہو یا کسی اور دلیل کی وجہ سے اس نے مخالفت کی ہو۔ اس لیے ایسے امور جن میں قرآن و حدیث کی واضح نص موجود ہے وہاں اجتہادی رائے کی کوئی اہمیت نہیں۔ شیخ سنوسی حدیث پر عمل کے حوالہ سے تین طرق بیان کرتے ہیں۔ ۱۔ طریقۃ الاصولیین ۲۔ طریقۃ المحدثین ۳۔ طریقۃ الفقہاء۔ اصولی فقہاء کی دو اقسام ہیں: مجتہد مطلق اور مجتہد مقید۔ مجتہد مطلق کی مزید دو اقسام ہیں: مجتہد مستقل اور مجتہد منتسب۔ مجتہد مطلق کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام ماخذ کا علم رکھے اور اسے تمام احکامات کا علم ہو جتنا کہ انسانی فہم و ادراک سے ہو سکتا ہے۔ بلا شبہ امام مالکؒ مجتہد تھے اور چالیس مسائل میں سے چھتیس کے بارے میں آپ نے یہ کہا کہ مجھے ان کا ادراک نہیں۔ اسی طرح امام ابو حنیفہؒ نے آٹھ مسائل میں یہ کہا کہ وہ ان کے بارے میں نہیں جانتے۔ اس لیے ضروری نہیں کہ مجتہد مطلق کو تمام چیزوں کا علم ہو۔ وہ امام غزالیؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ اجتہاد کوئی منصب نہیں اور یہ ممکن ہے کہ کوئی عالم منصب اجتہاد پر فائز ہو اور اسے فنون میں سے کچھ فنون آتے ہوں اور کچھ نہ آتے ہوں، مسائل میں سے کچھ کا اسے ادراک ہو اور کچھ کا نہ ہو۔[۱۳]

شیخ سنوسی لکھتے ہیں کہ مجتہد مطلق وہ ہے جو تمام مسائل فقہ میں فتویٰ اور حکم دے سکے جبکہ مجتہد مقید وہ ہے جو ایک حکم میں یا بعض احکام کے بارے میں فتویٰ دے سکے۔ مطلب یہ ہے کہ جو اجتہاد کی بعض جزئیات میں اپنے علم کی بنیاد پر فتویٰ دے اور بعض میں اپنی علمی کمزوری یا لاعلمی کی بنیاد پر تقلید کرے۔ امام ابن الھمام کے نزدیک وہ شخص جو مجتہد مطلق نہیں ہے اس کے لیے لازمی ہے کہ وہ تقلید کرے اگرچہ وہ بذات خود بھی بعض مسائل فقہ میں مجتہد ہو۔ شیخ سنوسی کہتے ہیں کہ ایک شخص کے مقلد ہونے اور مجتہد ہونے کے مابین کوئی منافات نہیں کیونکہ ہر ایک کی ایک خاص جہت ہے یہی وجہ ہے کہ ایسے شخص کو مجتہد مقید کہتے ہیں۔ جو بعض مسائل میں اجتہاد کر سکتا ہے اور یہ صلاحیت اسے دلائل کے استقراء اور آیات احکام اور کتب حدیث میں مہارت اور مجتہد مطلق سے سیکھنے سے حاصل ہوتی ہے چنانچہ وہ مقلد نہیں رہتا۔ وہ احکام کی حکمت کو سمجھ لیتا ہے لیکن بعض احکام کو نہ جاننے کی وجہ سے وہ مجتہد مطلق کے درجہ پر فائز نہیں ہوتا۔

دوسرا طریقہ محدثین کا ہے جن کا اس بات پر اجماع ہے کہ حدیث پر عمل کرنا واجب ہے اور اس حوالے سے وہ حدیث صحیح کی ساتوں اقسام کو بطور دلیل تسلیم کرتے ہیں اور فضائل اعمال کے حوالہ سے ضعیف حدیث کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ شیخ سنوسی محدثین کی اس تقسیم پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے دو نکات واضح کرتے ہیں جو محدثین کے نزدیک بنیادی اہمت کے حامل ہیں۔ اول یہ کہ حدیث کی رسول ﷺ کی طرف نسبت کی تحقیق کرنا اور آئمہ حدیث کے دواوین میں اس کے مرجع کا تعین کرنا اور دوسری بات شارع علیہ السلام کے الفاظ کی بعینہ تحقیق کرنا جو کسی خاص حکم پر دلالت کرتے ہیں۔ تاکہ یقین اور وثوق کے ساتھ اس بات کا تعین کیا جاسکے کہ درست الفاظ نقل کیے گئے ہیں۔ اور اس سلسلے میں ضبط حدیث اور اسانید کی تحقیق و تفحص کا اہتمام کیا گیا ہے یا نہیں۔ شیخ سنوسی حافظ ابو بکر محمد بن خیر الاموی الاشبیلی کا قول نقل کرتے ہیں کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی مسلمان کے لیے یہ درست نہیں کہ وہ یہ کہے کہ رسول ﷺ نے کہا جبکہ اس کے پاس ضروری روایت نہ ہو۔

شیخ سنوسی ابو اسحاق الاسفرائنی کا قول نقل کرتے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ ثقہ کتابوں سے نقل کرنا جائز ہے اور اس میں یہ شرط نہیں کہ کتابوں کے مصنفین تک سند متصل ہو۔ وہ امام شافعی کے حوالہ سے قول نقل کرتے ہیں کہ وجادہ پر عمل کرنا جائز ہے اور بعض محدثین نے یہ لکھا ہے کہ جب وجادہ کے ساتھ ثقہ میسر ہو تو عمل واجب ہے۔ شیخ سنوسی وجادہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ وجادہ سے مراد یہ ہے کہ راوی براہ راست کتاب سے روایت کرے اور اس حوالے سے وہ اس بات کا التزام نہ کرے کہ اس نے کسی شیخ یا استاد سے اسے روایت کیا ہے یا نہیں۔ متقدمین محدثین نے اس طریقے کو مستند قرار نہیں دیا کیونکہ اس عہد میں احادیث مدون ہو رہی تھیں اور کتب کی تدوین و طباعت کا مرحلہ مکمل نہیں ہوا تھا، جبکہ متاخرین نے کتابوں سے براہ راست روایت کی اجازت دی ہے کیونکہ کتب حدیث مرتب ہو چکی ہیں۔ اس لیے شیخ سنوسی عصر حاضر میں وجادہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔

شیخ سنوسی نے حدیث پر عمل کے حوالہ سے تیسرا طریقہ فقہاء کا بیان کیا ہے اس حوالہ سے وہ مقلد فقہاء کے حوالہ سے لکھتے ہیں اس میں بہت پر خطر مقامات ہیں جن کا خلاصہ دو نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ پہلا یہ کہ وہ حدیث پر عمل نہیں کرتے اگرچہ وہ مقلد امام کے موافق ہی کیوں نہ ہو۔ اس حوالہ سے شیخ سنوسی امام القرافی کا قول نقل کرتے ہیں: يحرم على المقلد اتباع الادلة و يجب عليه الايعمل الا بقول عالم و ان لم يظهر له دليله لقصوره عن رتبة الاجتهاد۔[١٤]

مراد یہ ہے کہ مقلد نہ حدیث پر عمل کرے گا اور نہ ہی اس سے استدلال کرے گا اور نہ ہی اقوال صحابہ کرام سے استنباط کرے گا۔ اس کا بنیادی وظیفہ تقلید ہے اس حوالہ سے مزید وہ شیخ سالم السنہوری کا قول نقل کرتے ہیں کہ جمہور کی رائے میں وہ شخص جس میں اجتہاد کی اہلیت نہیں اس پر واجب ہے کہ وہ آئمہ اجتہاد میں سے کسی ایک کی تقلید کرے۔ اگرچہ وہ عالم ہی کیوں نہ ہو۔ بخلاف اس شخص کے کہ جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ عالم تقلید نہ کرے خواہ وہ مجتہد نہ بھی ہو اس لیے اس میں یہ صلاحیت پائی جاتی ہے کہ وہ دلیل سے حکم کو اخذ کر سکتا ہے۔[١٥] چنانچہ ایسا شخص جس کے پاس کم علم ہے اس پر واجب ہے کہ اپنے سے بڑے عالم کی اتباع کرے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کئی امور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اتباع کی اور آپ کہا کرتے تھے اگر علی رضی اللہ تعالی عنہ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا اور میں اللہ تعالی کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں ایسی قوم میں ہوں جس میں ابو الحسن نہ ہوں۔

اس مقام پر شیخ سنوسی یہ نکتہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک بلند درجہ عالم کا اپنے سے کم درجہ سے اخذ کرنا جائز ہے جب اس کے پاس مضبوط اور

قوی دلائل ہوں۔ اس حوالے سے وہ حضرت عروہ بن زبیر اور عبد اللہ بن عباس کا مکالمہ نقل کرتے ہیں کہ جس میں حضرت عبد اللہ بن عباس کی رائے یہ تھی کہ حاجی سات طوافوں کے بعد احرام کھول سکتا ہے جبکہ عروہ بن زبیر نے دلیل دی کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی یہ رائے نہیں تھی۔ حضرت عباس نے کہا کہ میری بات قرآن وحدیث پر مبنی ہے۔ جس کے جواب میں عروہ بن زبیر نے کہا کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما مجھ سے اور آپ سے قرآن و سنت کو بہتر جانتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس اس جواب کے بعد خاموش ہو گئے جو اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ بلند درجہ عالم کو اپنے کم درجہ کی بات تسلیم کرنا چاہیے جب وہ دلیل سے بات واضح کر دے۔

عام آدمی کے لیے اتباع واجب ہے اور اب یہ حال ہے کہ عام علماء بھی عوام کے درجہ پر انحطاط پذیر ہو گئے ہیں۔ اس بارے میں شیخ سنوسی نے شیخ عبد الحق محدث دہلوی کا قول نقل کیا ہے کہ آج کے زمانے میں اس بات کا تصور نہیں کیونکہ مجتہدین نے احادیث اور اقوال صحابہ کرام کو تلاش کیا، صحیح اور ناسخ و منسوخ کو علیحدہ علیحدہ کیا، ان کی تحقیق کی، ترجیح کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا، ان کے درمیان ترجیح دی اور مطالب کا تعین کیا۔ عوام میں یہ طاقت کہاں کہ وہ یہ تمام امور سر انجام دیں بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ اس زمانہ کے علماء میں بھی یہ ہمت نہیں کہ وہ یہ کام کریں۔ پس ان کے لیے اس کے علاوہ کیا راستہ رہ جاتا ہے کہ وہ متقدمین مجتہدین کی اتباع کریں۔

شیخ سنوسی مختلف آئمہ اور علماء کے اقوال ذکر کرتے ہوئے اس امر کی توضیح کرتے ہیں کہ تقلید کس طرح مستقل روایت کی حیثیت اختیار کر گئی جبکہ قرون اولی کی روشن روایت جس میں حضرت امام مالکؒ کا قول بار بار سنائی دیتا ہے کہ میں ایک انسان ہوں مجھ سے غلطی ہو سکتی ہے اور میں درست فیصلہ بھی کر سکتا ہوں پس میری رائے کو دیکھو اگر وہ قرآن و سنت کے موافق ہے تو اختیار کر لو اور اگر موافق نہیں تو اس کو ترک کر دو۔ جبکہ قرون وسطیٰ میں علماء نے یہاں تک لکھ دیا کہ امام کی تقلید لازمی ہے گویا امام پیغمبر بن گیا جو ان کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔[۱۶] شیخ سنوسی نے تقلید کی صحت کے حوالہ سے سات شرائط کا ذکر کیا ہے جن میں بنیادی شرط یہ ہے کہ تقلید ان امور میں نہیں ہو سکتی جو صریحاً قرآن و سنت کے مخالف ہوں۔ شیخ ابن الصلاح کے مطابق جب مقلد کے قول کے برعکس کوئی امر حدیث سے ثابت ہو اور مقلد کے قول کی تائیدی حدیث تلاش کرنے پر بھی نہ ملے، جبکہ تلاش کرنے والے میں اس کی اہلیت بھی ہو تو ایسی صورت میں صاحب مذہب کا قول ترک کر دیا جائے گا۔

شیخ سنوسی نے شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی شرح "الصراط المستقیم" کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے یہ سوال اٹھایا کہ ایک مجتہد جب اپنے مذہب کے برعکس حدیث صحیح پائے تو کیا اسے حدیث پر عمل کرنا چاہیے یا اپنے مذہب کو اپنائے رکھنا چاہیے؟ اس حوالے سے وہ دو آراء کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک تو متقدمین کی رائے ہے کہ مقتدیٰ حقیقی رسول اللہ ﷺ ہیں جن کی اتباع کی جاتی ہے۔ اس لیے جب واضح طور پر کوئی عمل امر حدیث سے ثابت ہو گیا تو ایسی صورت میں کسی اور امر کی پیروی غیر معقول ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام ایسے ہی کیا کرتے تھے اور یہی حال تابعین کا رہا ہے۔ اور اسی طرزِ عمل کو متقدمین نے اختیار کیا ہے۔ حدیث پر عمل کرنے کے حوالے سے کسی دوسرے کے عمل کو معیار بنانا بالکل باطل عمل ہے۔[۱۷] جبکہ دوسری رائے متاخرین علماء فقہ کی ہے کہ آئمہ مذہب کی رائے کو حدیث صحیح کی وجہ سے ترک نہیں کیا جائے گا کیونکہ آئمہ مذاہب کی آراء بھی قرآن وحدیث پر مبنی ہیں۔ اور ممکن ہے وہ احادیث جن کی بنیاد پر ان فقہاء نے اپنی آراء قائم کی ہوں وہ احادیث مدون نہ ہو پائی ہوں، جیسا کہ اس کی تفصیل اس سے قبل بیان کی چکی ہے۔ شیخ سنوسی ان آراء کو ذکر کرنے کے بعد اس امر پر زور دیتے ہیں کہ اگر مجتہد پر اس کے امام کے مآخذ کا ضعف واضح ہو جائے اور اس کے مقابل اس کو حدیث صحیح کا علم ہو جائے لیکن وہ پھر بھی قولِ امام کی تقلید کا قائل رہے

تو مناسب ہے کہ ایسے آدمی سے بحث ترک کر دی جائے کیونکہ وہ اپنے امام کی اتباع پر مصر ہے لیکن وہ اس کی دلیل کو نہیں جانتا اور فقط یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ممکن ہے کہ اس کے امام کے پاس اس کی دلیل ہو جس سے وہ واقف نہیں۔ ایسا شخص واضح دلائل کو نظر انداز کر کے اندھی تقلید پر بضد ہے۔ ایسا شخص حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہے اور متقدمین کے طریقہ کے برعکس چلنے والا ہے جو احکام میں مشاورت کرتے تھے اور حقیقت واضح ہونے پر اس کی اتباع میں بہت جلدی کرتے تھے۔

شیخ سنوسی متقدمین اور متاخرین کی آراء کو مجتہد کی اہلیت سے وابستہ کر کے ان دونوں کے درمیان تطبیق بھی کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک وہ شخص جو علمی طور پر معتبر ہو اس کے لیے تقلیدِ امام کی بجائے حدیث پر عمل کرنا جائز یا واجب ہے۔ اس تاہم وہ شخص تقلید کرے جو علمی طور پر معتبر نہیں بلکہ عامی ہے۔ وہ اس بات پر اصولی طور پر زور دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا قول حجت ہے۔ اگر حدیث واضح اور ظاہر ہو اور اس کے علاوہ کوئی اور قابل عمل مراد نہ ہو، ایسی صورت اس پر عمل کیا جائے گا اور اس حوالے سے کسی امام یا فقیہ کے قول سے تزکیہ نہیں کیا جائے گا۔

شیخ سنوسی کی تحریروں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ معاصر مسائل کے حل کے لیے اجتہاد کے قائل ہیں اور اس نقطہ نظر کی تردید کرتے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ وہ اس بات کے بھی مخالف ہیں کہ تقلید محض کو اختیار کیا جائے۔ وہ اس حوالے سے حدیث و سنت پر عمل کرنے کو بنیادی اہمیت دیتے ہیں۔ انہیں اس بات کا بخوبی ادراک ہے کہ عام آدمی میں یہ استعداد نہیں ہے کہ احادیث سے براہ راست مسائل کا استنباط کر سکے۔ لیکن وہ عالم کے لیے جائز قرار دیتے ہیں کہ وہ ذخیرہ احادیث صحیحہ خاص کر صحیحین کو مد نظر رکھ کر فتویٰ جاری کرے۔ وہ اس حوالے سے درپیش علمی خطرات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ناسخ و منسوخ احادیث سے عدم واقفیت کی بنا پر یہ اندیشہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ احادیث سے براہ راست استفادہ نہیں کیا جا سکے۔ تاہم وہ اس اندیشے کا علمی طور پر جواب دیتے ہیں کہ متفقہ طور پر منسوخ احادیث جن کی تعداد دس سے زیادہ نہیں ہے، اس لیے ان کو مد نظر رکھا جا سکتا ہے یا پھر دوسری طرف آئمہ کی آراء میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا ہے اور عام شخص کے لیے یہ ایک مشکل بات ہے کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ ایک مسئلہ پر فقہاء کی متعدد آراء میں سے کون سی درست ہے اور کس کے دلائل مضبوط ہیں۔

شیخ سنوسی کی تجدیدی فکر اس لحاظ سے امتیازی ہے کہ ان کے ہاں ماضی کے فقہی سرمایہ کے ساتھ مرتبط رہ کر جدید مسائل کے حل کے لیے براہ راست حدیث سے اخذ و اجتہاد کرنا چاہیے۔ دوسری طرف وہ یہ واضح کرتے ہیں کہ معاصر فقہاء کو اجتہادی مسائل میں ہر گز تقلید کی روش اختیار نہیں کرنی چاہیے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 international license.

حواشی وحوالہ جات

[1] Vincent J Cornell, *Realm of the Saint: Power and Authority in Moroccan Sufism* (University of Texas Press: 1998), pp. 60-90.

[2] See for details: Evans-Pritchard, Edward, *The Sanusi of Cyrenica* (Oxford: 1949); Vikor, Kund, *Sufi and Scholar on the Desert Edge* (London: C. Hurst & Co. Ltd, 1995).

[3] Ghazi Mahmood Ahmad, *The Sanusiyyah Movement of North Africa: An Analytical Study*, (Shariah Academy, IIU Islamabad, 2001), pp. 3-4.

[4] See for details: Nicola A. Ziadeh, *Sanusiyah: A Study Of A Revivalist Movement In Islam*, (Leiden: E. J. Brill, 1958) Trimingham, J. Spencer, *Islam in the Sudan*, Oxford University Press, 1965, pp. 230, 239-

[5] السنوسی، محمد بن علی، الشموس الشارقہ فیمالنا من اسانید المغاربۃ والمشارقۃ، (بن غازی، ۱۹٦۷)

[6] السنوسی، محمد بن علی، کتاب ایقاظ الوسنان فی العمل بالحدیث والقرآن، (بن غازی، ۱۹٦۷)، ص ۱۳، ۱۲، ۸

[7] ایضاً ص۔ ۱۵

[8] ایضاً ص ۱۸

[9] ایضاً ص ۱۹

[10] ایضاً ص ۲۴، ۲۳

[11] ایضاً ص ۲۸، ۲۹

[12] ایضاً ص ۴۳

[13] ایضاً ص ۴۵

[14] ایضاً ص ۵۲

[15] ایضاً ص ۵۲

[16] ایضاً ص ۵۵

[17] ایضاً ص ۵۸